جدید اُردو نظم

(مابعد جدیدیت کے تناظر میں)

ڈاکٹر محمد اکرم سرا

Dr. Muhammad Akram Sara

Abstract:

Modernism began after the first world war.among its basic topics suspision,absurdity,anxiety and dejection were included. According to this thoery, words had specific meanings and they were considered overshadowing the time and space. But in Post Modernism, multimeaning replaces singlemeaning. In post modernism, topics have not remained specific or limited. Today's poet pens down whatever he feels in his surroundings. In post modernism, locality is emphasized rather than universality.Today's poet writes on hypocricy, deception and fraud. He pens down the treatment that is meted out to women. He dislikes materialism. He gives weightage to the dignity of man in this world of greed and lust. He is in search of that man who had lost himself in his search for material things.In this article, a research study of post modernism poetry has been presented for the reader to ponder over this issue.

ذات کی تلاش، تنہائی کا غم اور انفرادیت کی جستجو جدیدیت کے اہم موضوعات رہے ہیں۔ دیکھا جائے تو اس رویے کا آغاز نشاۃِ ثانیہ سے ہوتا ہے۔ نشاۃِ ثانیہ کے دور سے قبل مذہب کی مرکزیت قائم تھی اور مذہبی معاشرے کا سب سے طاقتور اور بااثر طبقہ کلیسا تھا لیکن کلیسا کے زوال کے بعد ''انسان مرکزیت'' قائم ہوگئی اسے ہم انسان پرستی کہیں یا انسان دوستی بات ایک ہی ہے کہ اس دور میں انسان سب سے زیادہ اہمیت اختیار کر جاتا ہے اس دور میں ادب و فلسفے کا بنیادی کام انسان کا مطالعہ کرنا ہے ''جدیدیت کی ساری لہریں اسی انسان پرستی کی فضا سے گزرتی ہیں۔''(۱) مغرب میں پیدا ہونے والی آرٹ

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، گورنمنٹ کامرس کالج، شیخوپورہ

اور فلسفے کی ساری تحریکیں اپنے مرکز میں اسی بنیادی تصور کو لیے ہوئے پیدا ہوئیں یہ روایت کے بطن میں تبدیلیوں کا بنیادی اشاریہ ہے اس دور میں ہر بات کو عقلی انداز میں دیکھنے اور پرکھنے کی کوشش کی گئی۔ ادب، فنونِ لطیفہ ہر جگہ عقل اپنا اظہار کرتی نظر آتی ہے۔

یورپ میں عقلی رویے کا آغاز یونانی علوم کی ترویج سے شروع ہوا خاص کر جب ترکی نے قسطنطنیہ پر قبضہ کیا تو یونانی علوم سارے یورپ میں پھیل گئے ان علوم کی ازسرنو اشاعت سرزمین یونان سے نکل کر یورپ میں نشاۃ ثانیہ کا باعث بنی ان علوم کی ترویج و اشاعت کے باعث عقل ہادی و راہنما قرار پائی اور انسان مرکز کل۔ یہاں اب سارا تہذیبی و ثقافتی نظام محض تصورِ انسان کی بنیاد پر تعمیر ہونے لگا اور یوں 'Humanism' انسان کی منزل قرار پائی۔ جدیدیت کا استعمال سترھویں صدی کے اس یورپ کے بارے میں کیا جاتا ہے جس نے نشاۃِ ثانیہ اور پروٹسٹنٹ تحریک کے پہلو میں سائنسی علوم وفنون کو کام میں لاتے ہوئے قدیم جاگیردارانہ عہد کے سکونی تصورِ حیات و کائنات کو رد کر کے استناد پرستی کے خلاف انفرادی ضمیر اور عقل کی پرستش شروع کر دی تھی۔ فلسفے میں اس کی بنیاد دیکارت کے طریقِ تشکیک نے رکھی جب یورپ صنعتی اور بورژوا انقلاب سے دو چار ہوا تو اس جدیدیت کی شاخیں اور بہت سے عمرانی علوم میں پھیل گئیں'' چنانچہ انیسویں صدی میں اس کا کام خیالات کو ایسے ماخذ سے آزاد کرانا تھا جن پر بحث عقلی حیثیت سے نہ کی جا سکتی ہو۔''(۲)

نشاۃِ ثانیہ کے آغاز سے جاگیردارانہ نظام کا خاتمہ ہو گیا اور صنعتی نظام اس کی جگہ لینے لگا اس صنعتی نظام کی بنیادی فکر سرمایہ دارانہ تھی سائنس اور ٹیکنالوجی کے فروغ نے اس کی بنیادیں مستحکم کر کے عقلی رویوں کو فروغ دیا چنانچہ مذہب کی بھی عقلی تعبیریں کی جانے لگیں۔ عقل کی اس آندھی کے سامنے کیتھولک مذہب اپنے وجود کو قائم نہ رکھ سکا چنانچہ یہ کہا جانے لگا کہ جو چیز عقلی معیارات پر پوری نہیں اترتی اسے رد کر دینا چاہیے۔ یوں مذہبی مابعد الطبیعیات پر سے اعتقاد متزلزل ہو گیا۔ رہی سہی کسر مارٹن لوتھر کی ''اصلاح مذہب'' کی تحریک نے پوری کر دی۔ انسان نے اپنی ذاتی خواہشات کی تعبیر کے لیے کیتھولک مذہب کو رد کر دیا اور پروٹسٹنٹ فرقے کی بنیاد رکھی اس سے مذہب کے پارینہ تصورات ختم ہو گئے کلیسا کی علمداری جاتی رہی اور مذہب انسان کا پرائیوٹ مسئلہ بن گیا۔

سائنس اور ٹیکنالوجی کی روز افزوں ترقی، صنعتی معاشرے کا قیام، عقلی رویوں اور مذہبی تصورات کے پارینہ ہو جانے کے باعث خدا پر ایمان بھی کمزور ہو گیا۔ یوں اس دور کی سب سے بڑی قدر تشکیک قرار پائی۔ کلیسا کی عملداری کے خاتمے اور خدا پر اعتقاد کے رخنے نے جدید دور کے انسان کو روحانی طور پر دیوالیہ کر دیا۔ انسان نے اس خلا کو پر کرنے کے لیے ''ہیومن ازم'' کا خوشنما تصور تراشا۔ اس تصور میں آسمانی خدا کے بجائے انسان خود اپنا خدا بن بیٹھا۔ علم نفسیات اور فرائڈ اور فیور باخ کے نظریات نے اس

تصور کو مزید کمک پہنچائی۔ چنانچہ ادب، فلسفہ اور فنونِ لطیفہ میں اسی تصور کا اظہار ملتا ہے ادب فلسفہ کی بڑی بڑی تحریکیں انسانی اثبات ہی کی تحریکیں تھیں۔

ضمیر علی بدایوانی لکھتے ہیں:

> ''انسان پرستی کی لکیر پر دوڑتا ہوا انسان صدیوں کی طویل مسافت کے بعد جب بیسویں صدی کے آئینے میں جھانک کر دیکھتا ہے تو اس میں بھی انسان ہی کا چہرہ نظر آتا ہے مارکسزم اور وجودیت دو مختلف فکری تحریکیں تھیں لیکن انسان پرستی کی قدر دونوں میں مشترک تھی سارتر نے اپنے مشہور لیکچر ''وجودیت انسان پرستی ہے'' میں آپ کو اسی تصورِ انسان کی بازگشت سنائی دے گی جس نے نشاۃِ ثانیہ کے بطن سے جنم لیا تھا۔''(۳)

بیسویں صدی میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے جنھوں نے انسان پرستی کے مخصوص تصور کو انتہائی زک پہنچائی ان واقعات میں پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۸-۱۹۱۴) ۱۹۲۸ء کا معاشی بحران جس نے سرمایہ دارانہ نظام کی کمزوریوں اور استحصالی رویے کو بے نقاب کیا۔ جرمنی اور اٹلی میں ہٹلر اور مسولینی کی آمریت اور دنیا کی تسخیر کا منصوبہ، ۱۹۱۸ء میں روس میں کمیونسٹ انقلاب جس کے نتیجے میں پرولتاری حکومت قائم ہوئی اور روس امریکہ سرد جنگ کا آغاز ہوا۔ سائنسی ایجادات کی کثرت اور ہلاکت خیز مواد کی تیاری۔ دوسری جنگِ عظیم (۱۹۴۵-۱۹۳۹) جاپان کے شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم کے تجربے، مادی ترقی کا احیاء افریقہ اور ایشیا کے ممالک بظاہر آزاد ہو گئے مگر فکری اور معاشی طور پر مغرب کے ہی اسیر رہے۔ ۱۹۴۸ء میں چین میں ماوزے تنگ کی قیادت میں کمیونسٹ انقلاب، اسرائیل کا قیام اور عرب اسرائیل جنگیں(۴) ۹/۱۱ کا واقعہ اور دہشت گرد کارروائیاں۔

یہ وہ بڑے بڑے واقعات تھے جنھوں نے انسان پرستی کے تصور کو گہنا دیا اس سورج کے غروب ہوتے ہی جدیدیت میں پروان چڑھا تصور انسان بھی تحلیل ہو گیا اور انسانی عظمت ریزہ ریزہ ہو کر فضا میں بکھر گئی۔ ریت کے گھروندے میں رہنے والا یہ انسان لاپتہ ہے اپنی گمشدگی کا وہ خود ذمہ دار ہے تاریخ کا یہ عظیم الشان بیانیہ منقطع ہو گیا اور انسان بے نشان ہو گیا۔

میں اجنبی، میں بے نشاں
میں پابہ گل
نہ رفعتِ مقام ہے، نہ شہرتِ دوام ہے
یہ لوحِ دل یہ لوحِ دم
نہ اس پہ کوئی نقش ہے نہ اس پہ کوئی نام ہے(۵)

جدیدیت کے اہم نظم نگاروں میں محمد علوی، شہریار، وزیر آغا، بلراج کومل، شمس الرحمن فاروقی، عمیق حنفی، ساقی فاروقی، عباس اطہر اور مخمور سعیدی وغیرہ شامل ہیں۔

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ ''جدیدیت کے بعد'' میں اس تبدیلی کو مابعد جدیدیت کے دور میں داخل ہونے کی نشانی قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ جدید عہد کے شاعر اور افسانہ نگار حد سے بڑھی ہوئی سماجی بیگانگی، داخلیت، شکستِ ذات اور لایعنیت سے اوب چکے ہیں وہ اس حصار سے نکل کر کھلی فضا میں سانس لینا اور زندگی کے نئے مسائل سے رشتہ جوڑنا چاہتے ہیں۔(۶) جدیدیت میں معنی کو واحد اور مخصوص قرار دے کر اسے آفاقی قرار دیا جاتا تھا مگر مابعد جدیدیت تمام نظر انداز کردہ معانی کو سامنے کے کر آتی ہے اور واحد معنی کی بجائے تکثیر معنی کے تصور کو پیدا کرتی ہے۔(۷)

ریت پر بنا مکان ہمیشہ آندھیوں کی زد میں رہتا ہے جدیدیت کے سورج کو بھی ایک دن غروب ہونا ہی تھا کیونکہ جس سماج کی بنیاد طبقاتی استحصال اور معاشی عدم مساوات پر قائم ہو اور جس سوسائٹی میں عام آدمی کو روزی روٹی کے لالے پڑے ہوں، جہاں پر زندگی غیر یقینی اور رنج والم کی پروردہ ہو، جہاں ملک کی دولت پر چند مخصوص خاندان اور گروہ (ملٹی نیشنل کمپنیاں) مسلط ہو جائیں وہاں پر فرد کی انفرادیت کیسے ارتقاء پذیر ہو سکتی ہے وہاں پر فرد کس طرح آزادیٔ فکر کا متمنی ہو سکتا ہے؟ سرمایہ دارانہ نظام کی خوبی یہ ہے کہ وہ قانونی طور پر سب کو یکساں حقوق دیتا ہے لیکن اخلاقی طور پر عدم مساوات کی ایسی دیوار کھڑی کر دیتا ہے جسے وقت کے یاجوج ماجوج نوکِ زباں سے چاٹ کر ختم نہیں کر سکتے۔

صنعتی انقلاب اور سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے باعث ایسا معاشرہ وجود میں آ گیا جس نے انسانی عظمت کو مشینوں اور ذرائع پیداوار کے قبضے میں دے دیا۔ انسان کی اس غلامی میں اس کی انفرادی آزادی کا سورج غروب ہو گیا یہیں سے مابعد جدید رویہ پیدا ہوتا ہے اور انسان نئے آدم اور نئے سماج کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا ہے۔ مابعد جدید شاعر کا مروجہ اخلاقی اور سماجی قدروں پر سے اعتبار اُٹھ چکا ہے۔ اس کے خیال میں آج دنیا میں کوئی ایسا نظام، کوئی ایسا عقیدہ اور نصب العین نہیں ہے جس پر آج کا انسان اعتماد کر سکتا ہو۔ وہ جس آئیڈیل سماج کی جستجو میں ہے اس کا ہنوز سراغ نہیں ملا۔ ''چنانچہ سرمایہ دارانہ نظام سے نفرت، اشتراکی نظام سے مایوسی اور مذہبی عقائد کی پامالی نے آج کے انسان کو ذہنی اور فکری طور پر بے قرار کر دیا ہے اور وہ ایک نئے روحانی اور تہذیبی انقلاب کا منتظر ہے''(۸)

سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے باعث آج کی دنیا گلوبل ورلڈ بن چکی ہے آٹو مشین کے زمانے نے اس صنعتی اور صارفی دنیا میں انسان کو بے وقعت کر کے انتہائی حقیر شے بنا دیا ہے آج کے انسان کی انفرادی حیثیت اور مقام ختم ہو چکا ہے وہ معاشرے سے الگ کوئی اہمیت نہیں رکھتا وہ اس بھری پری دنیا میں اکیلا ہے ہجوم اور انسانوں کی بھیڑ میں وہ اجنبیت اور بیگانگی کا شکار ہے آج کا انسان سماجی سطح پر شدید تنہائی میں مبتلا ہے یہ اس دور کا المیہ ہے کہ آج ایک ہی عمارت میں رہنے والا فرد اپنے پڑوسی سے ناواقف ہے اس لیے اس کے دکھ، سکھ اور خوشی وغم میں اس کا ساتھی نہیں ہے۔

آج

دہکتا پورا سورج
میرے صحن میں آ اترا ہے
اور مرا ہمسایہ کوئی
رونا دور کی بات ہے مجھ پر
ہنسنے کو تیار نہیں (۹)

آج کا انسان اپنی ذات کے آشوب میں ڈوبا ہوا ہے تنہائی کے آشوب نے اسے اندر سے کاٹ کر رکھ دیا ہے وہ خانوں میں بٹا ہوا ایک ایسا فرد ہے جو ڈبل روٹی کی مانند جڑا ہوا ہے یوں ذاتی اور سماجی مغائرت نے ایسی صورت گری کر دی ہے جس میں سب تصویریں دھندلی اور سارے عکس سراب ہیں۔

''مابعد جدیدیت ایک ایسی صورتِ حال کا نام ہے جیسے لیوتار Presentation of upresentable سے تعبیر کرتا ہے یعنی حقیقت کے بعض ایسے اجزاء کی پیشکش جو بجائے خود پیشکش کے دائرے سے باہر ہوں۔''(۱۰)

یعنی شے اور تصور کا ایسا رشتہ قائم کرنا جو Sublime کا حاصل ہو اور یہ رشتہ پہلے سے طے شدہ اصولوں کی روشنی میں قائم نہیں ہوتا بلکہ ہر فن پارہ اپنے جمالیاتی اصول خود مرتب کرتا ہے۔ اس فکر کے پیدا کرنے والوں میں باطیل، دریدہ اور فو کو خاص اہمیت کے حامل ہیں فو کو نے خاص طور سے عقل میں رونما ہونے والی بنیادی تبدیلیوں (بکھرنے اور منتشر ہونے) کی جانب ہماری توجہ مبذول کروائی ہے وہ عقلیت کی نئی صورت گری کو یوں بیان کرتا ہے۔

"Other forms of rationality are created endlessly so their is no sence at all to the proporition that reason is a long narrative which is now finished and that on other narrative is undarway" (11)

ترجمہ: ''عقلیت پسندی کی دوسری اقسام کی تخلیق کا یہ ناختم ہونے والا سلسلہ ہے پس اس خیال کی کوئی وجہ نہیں کہ اقلیت ایک طویل بیانیہ ہے جس کا اب کوئی وجود نہ ہے اور یہ کہ ایک اور بیانیہ شروع ہو چکا ہے۔''

یہاں پر نشاۃِ ثانیہ کے تصور انسان کو ماضی کا قصہ قرار دے کر اس مقام سے آگے بڑھنے کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے مابعد جدیدیت کو شمس الرحمن فاروقی ''فکری صورتِ حال'' سے تعبیر کرتے ہیں جبکہ گوپی چند نارنگ ''معاشرتی اور ثقافتی صورتحال'' کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔(۱۲)

جدیدیت کا برج گرنے کے بعد مابعد جدیدیت کے عہد کا آغاز ہو چکا ہے اس عہد میں انسان ریاضی کے گمشدہ ہندسے کی طرح اپنی شناخت کا علم لے کر نکلا ہے یوں نئی جمالیات، نیا ادب و فلسفہ، نئی اخلاقیات اور نئے آدم کا خواب تعبیر یوسفی کا محتاج ہے اس جانب قدم بڑھانے والوں میں

مغرب کے ساتھ ساتھ مشرق میں ڈاکٹر سوزوکی اور ادینے (جاپان) کی تحریریں ایران میں ڈاکٹر زریں کوب اور پاک و ہند میں شمس الرحمن فاروقی، گوپی چند نارنگ اور ڈاکٹر وزیر آغا کے افکار اہم قدم ہیں۔

جدیدیت سے مابعد جدیدیت کی طرف پیش قدمی کے سفر کو ناصر عباس نیئر یوں دیکھتے ہیں:

> ''جدیدیت میں سایہ، جدید انسان کی شناخت کے اس عظیم بحران کی نمائندگی کرتا تھا جو عظیم جنگوں آمریتوں کبیری بیانیوں کی وجہ سے پیدا ہوا تھا مگر آج سائے کی معنویت بدل گئی ہے مابعد جدید دنیا میں اشیاء نہیں ان کے امیج اہم ہیں، آدمی نہیں، اس سے متعلق کوئی بیانیہ یا ڈسکورس اہم ہے، شخصیت نہیں اس کی شناخت اہم ہے جسے اس پر مسلط کر دیا گیا ہے۔ میں اور تم، جو حقیقی دنیا کی شناخت کو ممکن بناتے ہیں، جو سوال اٹھاتے ہیں اور ان کے جواب رکھتے ہیں ان سایوں، امیجز بیانیوں، تاریکیوں میں کھو گئے ہیں۔''(۱۳)

نئے شاعر اپنے پیش روؤں جیسی شاعری نہیں کر سکتے زمانے، حالات اقدار اور نظریات کی تبدیلی کے باعث زندگی تبدیل ہو چکی ہے ان بدلے ہوئے حالات میں جو شاعری کی جا رہی ہے اس کی اپنی خصوصیات ہیں یہ شاعری نئے طرزِ احساس کی حامل شاعری ہے جس میں افکار کے ساتھ ساتھ لفظیات کی تبدیلی بھی شامل ہے نئے شاعر جدید لفظیات کی مدد سے اپنے شعروں میں عصری شعور کو سمونے کی کوشش کرتے ہیں نئے شعرا قومی کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی صوتِ حال سے وابستہ ہیں چنانچہ وہ دنیا میں موجود نفرت، منافقت، بے روزگاری، جھوٹ، دغا بازی، مذہبی منافرت، مسلکی امتیازات، صوبہ داری عصبیت، تنگ نظری، استحصال، روزگار کے لیے گھروں سے بے گھر ہونا، جبری بے دخلی وغیرہ سے خود کو دوچار پاتے ہیں۔ وہ ان قوتوں کے مقابلے میں خود کو بے بس اور لاچار پاتے ہیں جو ان پر حکومت کرتی ہیں۔ ایک شاعر دیکھتا ہے کہ آج کے انسان کا دوسرے انسانوں سے وہی رشتہ ہے جو ایک مشین کا دوسری مشین سے ہے تعلقات اور میل ملاپ میں کھوٹ در آئی ہے اور زیادہ تر تعلقات تجارتی نوعیت کے ہیں دولت کا حصول ہمارے اندر اس حد تک سرایت کر چکا ہے کہ اب رشتے داریاں خلوص اور پیار کی بنیاد پر نہیں دولت کی بنیاد پر طے کی جاتی ہیں دوستی اور دشمنی کا معیار ذاتی عناد بن چکا ہے زندگی کی مستحکم قدریں بکھر چکی ہیں انسانی جان بے وقعت اور ارزاں جنس بن چکی ہے اخلاق اور ثقافت کے معنی بدل چکے ہیں تعلقات وقتی اہمیت کے حامل اور تاجرانہ نوعیت کے بن رہے ہیں یہ اور اس جیسے مسائل آج کے انسان کے ساتھ سایے کی طرح چپکے ہوئے ہیں۔

جدید معاشرہ انحطاط پذیر اور اخلاقی گراوٹ کا شکار ہے سیاسی پارٹیاں لوٹ مار کے گروہ بن چکی ہیں اور سپریم کورٹ کی رولنگ کے مطابق ان کے اپنے اپنے عسکری ونگ ہیں قومی ادارے ایک ایسی حویلی کا منظر پیش کر رہے ہیں جس کے کمروں کی چھت اُڑ چکی ہو۔ علم و دانش کے ادارے یونیورسٹیاں

تجارت گاہیں بن چکی ہیں اس وقت ہماری حالت ہمینگوے کے اس سپاہی جیسی ہے جو اپنے ساتھی کو بتاتا ہے کہ ''ہم سب بھونے جا چکے ہیں لیکن اس وقت تک سب ٹھیک ہے جب تک ہمیں اس کا علم نہیں ہوتا۔''(۱۴)

نیا شاعر جدید طرزِ احساس کا حامل ہے وہ جانتا ہے کہ مسلمہ اقدار ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو چکی ہیں اور مروّجہ اقدار میں راہِ نجات ڈھونڈنا کارِ دشوار ہے وہ سمجھتا ہے کہ یہ معاشرہ زوال کا شکار ہے یہاں چوروں اور منافقوں کی چاندی ہے یہاں مختلف قسم کی دھاندلیاں کر کے عام آدمی کی زندگی جہنم بنا دی گئی ہے یہاں عدم تحفظ کی فضا قائم ہے جس میں فنکار بھی دوسرے افراد کی طرح عدم تحفظ کے احساس میں مبتلا ہے۔ سماجی، سیاسی اور مذہبی روایات کی ٹوٹ پھوٹ اور اخلاقی اقدار کی ناکامی نے داخلی اور خارجی طور پر بے دلی اور مایوسی کو جنم دیا ہے جس سے شاعر کا داخلی گلشن خزاں رسیدہ باغ کی طرح کا ہو گیا ہے جس میں بلبل اور کوئل کی جگہ الو اور چمگادڑیں چیختی ہیں۔ ''یہ چیخیں شاعر کے دل سے نکلتی ہیں اور نئی نظم انہی ریزہ ریزہ تمناؤں سے عبارت ہے۔''(۱۵)

بیسویں صدی کا شاعر اس شہرِ ناپرساں میں آوازیں دیتا ہے لیکن اس کی آوازیں خلا میں بکھر جاتی ہیں اور اس صنعتی اور مادی شہر کی دیواروں سے ٹکرا کر بازگشت پیدا کرنے سے قاصر رہتی ہیں ان آوازوں کی ناکامی اسے پژمردہ کر دیتی ہے جس سے اس کے اندر مایوسی، بے بسی اور لاچاری کا احساس پیدا ہو جاتا ہے اس کے لہجے میں جھنجھلاہٹ اور سراسیمگی در آتی ہے وہ سمجھتا ہے کہ اسے جس پُل صراط کا سفر درپیش ہے اس کے اردگرد اژدہے اور نیچے آگ کے اندھے الاؤ دہک رہے ہیں وہ ہر وقت خوف اور دہشت کے اس حصار میں ہے کہ وہ کسی وقت بھی اس الاؤ میں گر سکتا ہے اور الاؤ کے اندھے شعلے اسے نگلنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں اس کا سفر پل صراط سے گزرنے کے بعد بھی مکمل نہیں ہوتا اس کی جنت بھی ایک ہولناک منظر پیش کرتی ہے۔ اس جنت کا نقشہ رشید امجد یوں دکھاتے ہیں:

> ''حوریں صلیبوں پر لٹکی ہوئی ہیں اور ان کے مقدس پیرہن ان کے قدموں میں پڑے ہیں آبِ کوثر میں زہر کی آمیزش ہے دودھ کی طرح اجلے اجالوں میں نفرتوں کی کالک گھلی ہوئی ہے اور چہچہانے والے پرندوں کے لب سلے ہوئے ہیں ایک خوف ایک انجانا ڈر دبے پاؤں چاروں طرف پھر رہا ہے روشنی ہے بھی تو تاریکی کی طرح کمبل کی بکل مارے شکار کی تلاش میں۔۔۔ خارج سے ذات کا یہ سفر المناکیوں کی وہ داستان ہے جو میرے نزدیک نئی نظم کا بنیادی تنازع ہے۔''(۱۶)

نئی نظم کا سفر خارج سے زیادہ داخل کا سفر ہے۔ یہ ''غیر متوقع صدمے کا نہیں بلکہ سماجی نراج کے وقوعے کو ایک ناگزیر وقوعے کے طور پر تسلیم کرنے اور بھوگنے کا عمل ہے۔''(۱۷) اس داخل میں جس جنت کا نقشہ نظر آتا ہے وہ انسان کا وہ شعوری کرب ہے جو اسے اس دنیا سے حاصل ہوا ہے اس شعوری کرب کا

بنیادی حوالہ صلیب ہے۔ آج کا انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ صلیب پر نہ ہوتے ہوئے بھی صلیب کے عذاب میں مبتلا ہے آگہی کا یہی وہ لمحہ ہے جب نئی نظم پرانی نظم سے اپنا رشتہ توڑتی محسوس ہوتی ہے۔ نئی نظم ان اذیتوں کی داستان ہے جس کے کردار ہر لمحے نیا دکھ اٹھا رہے ہیں۔ اس عہد کے شعراء اس فرد کی جستجو میں ہیں جس کا خواب ہنوز شرمندہ تعبیر ہے۔ ''نظم کے اس منظر نامے پر کوئی صدائے احتجاج یا دعوت انقلاب تو شاذ ہی ملتی ہے لیکن دکھ کا وہ گہرا اظہار ضرور ملتا ہے جو سامع کے باطن میں تبدیلی کی تمنا کی ایک لہر کو جنم دیتا ہے۔''(۱۸) سیاسی، معاشی، اخلاقی اور مذہبی میدان میں ہونے والی تبدیلیاں شعر وادب پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔ جدید شاعری میں ٹکڑوں میں بٹے انسان اور منتشر شہری کو اس کی بے نوائیوں سمیت بیان کیا گیا ہے جدید شاعری میں فلسفیانہ خیالات اور مغربی تحریکوں کے اثرات شاعری میں وسعت اور گہرائی پیدا کرنے کا باعث بنے ہیں ان میں منطقی اثباتیت، انسان دوستی، وجودیت، نفسیات اور اظہاریت، امپریشنزم، علامت نگاری، نوترقی پسندی کے افکار شامل ہیں اس کے لیے شعور کی رو اور آزاد تلازمۂ خیال سے مدد لی گئی ہے جدید شاعری نئے فکری اور احساساتی دھاروں کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے اس کے موضوعات میں تنہائی، اجنبیت، لایعنیت، بے گانگی، سونا پن، کرب، دکھ، اذیت طبقاتی تضاد، جبر، سامراجیت وغیرہ (اپنے مخصوص معنی سے ہٹ کر) شامل ہیں اس شاعری میں انسانی باطن میں جھانک کر وجود کے معنی ڈھونڈنے کی کوشش کی گئی ہے انسانی سطح پر مجبوریوں، بے بسیوں، مظلومیت اور کرب کو گرفت میں لینے کی کوشش نظر آتی ہے۔ جدید زندگی کے خلجان اور خلفشار کو موثر انداز میں بیان کیا ہے جدید شاعری میں انسانوں پر یلغار کرتے درندہ صفت انسانوں کی چھپی چالوں کو بے نقاب کیا ہے، بدلتے موسموں اور بدلتے رشتوں کو نئی نظموں کے سانچے میں ڈھالا ہے ان نظموں میں تجارتی اور صارفی معاشرے کی اخلاقیات انسان کے ''شے'' میں تبدیل ہو جانے کا نوحہ انسان اور کائنات کے باہمی رشتے تیسری دنیا کے ممالک کے المیے اور ان کی مشروط آزادیاں، عورت پر مرد کی حاکمیت، کلاسیکی اقدار کا زوال، انسان کی انسان کے ہاتھوں تذلیل، توہین اور بے وقعتی شامل ہے اس لیے جدید نظم کا سفر کسی مبلغ یا مفسر کا نہیں بلکہ ایک مسلسل تلاش کا نام ہے جو مخصوص رستوں پر چلنے کی بجائے نئے رستے تراش رہی ہے۔ اس سفر کے معماروں میں آفتاب اقبال شمیم، احمد شمیم، نصیر احمد ناصر، ابرار احمد، ستیہ پال آنند، انوار احمد، علی محمد فرشی، فرخ یار، اقتدار جاوید، رفیق سندیلوی، عامر عبداللہ اور شاہین عباس وغیرہ شامل ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ ضمیر علی بدایونی، جدیدیت اور مابعد جدیدیت، مشمولہ: جدیدیت کا تنقیدی تناظر، مرتبہ: اشتیاق احمد، لاہور: بیت الحکمت، ۲۰۰۶ء، ص ۳۴۷

۲۔ ممتاز حسین، پروفیسر، جدید اور جدید تر شاعری، مشمولہ: جدیدیت کا تنقیدی تناظر، ایضاً، ۴۱۴

۳۔ ضمیر علی بدایوانی، جدیدیت اور مابعد جدیدیت، مشمولہ: جدیدیت کا تنقیدی تناظر، ایضاً، ص ۳۴۸

۴۔ محمد حسن عسکری، مجموعہ، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء، ص ۲۲۔۱۲۲۱

۵۔ مجید امجد، کلیاتِ مجید امجد، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۱۵۴

۶۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، جدیدیت کے بعد، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۳۷۔۳۶

۷۔ ناصر عباس نیئر، جدید اور مابعد جدید تنقید، کراچی: انجمن ترقی اردو، پاکستان، ۲۰۱۳ء، ص ۲۰۲

۸۔ شہزاد منظر، جدیدیت کیا ہے؟ مشمولہ: جدیدیت کا تنقیدی تناظر، ایضاً، ص ۱۶۷

۹۔ احمد فقیہ، دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو، مشمولہ: اوراق، لاہور، جلد ۳۰، شمارہ ۳، ۲ فروری مارچ ۱۹۹۵، ص ۸۴

۱۰۔ ضمیر علی بدایوانی، ایضاً، ص ۳۴۸

۱۱۔ فوکو، بحوالہ، جدیدیت کا تنقیدی تناظر، ایضاً، ص ۳۴۹

۱۲۔ ضمیر علی بدایوانی، ایضاً، ص ۳۵۰

۱۳۔ ناصر عباس نیئر، علی محمد فرشی کی نظم، مشمولہ: غاشیہ، از علی محمد فرشی، اسلام آباد، پورب اکادمی، ۲۰۱۴ء، ص ۲۳

۱۴۔ فضیل جعفری، نئی شاعری اور جدیدیت، مشمولہ: جدیدیت کا تنقیدی تناظر، ص ۳۳۰

۱۵۔ رشید امجد، نیا ادب، منڈی بہاء الدین: تعمیر ادب پبلشرز، ۱۹۶۹ء، ص ۷۷

۱۶۔ ایضاً، ص ۷۸۔۷۷

۱۷۔ حامدی کاشمیری، مابعد جدید نظم، مشمولہ: ادب کا بدلتا منظر نامہ اردو مابعد جدیدیت پر مکالمہ، مرتبہ: گوپی چند نارنگ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص ۲۲۰

۱۸۔ طارق ہاشمی، اُردو نظم اور معاصر انسان، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۵ء، ص ۲۲۰